عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر رحمہ اللہ کی یاد میں

اب اُنہیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

ڈاکٹر خالد محمود سومرو

بہت سارے لوگ دنیا میں پیدا ہوتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، ان کا نام تک نہیں رہتا، مگر کچھ ایسے بھی اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے اس دنیا میں تشریف لاتے ہیں، جو عوام وخواص کے دلوں پر حکومت کر کے تشریف لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بھی محبوب ہوتے ہیں اور اللہ کے بندوں کے بھی محبوب ہوتے ہیں۔ ان کا دائرہ کار لوگوں کے عقائد کی اصلاح، عوام کی اصلاح وفلاح، دعوت الی اللہ، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ہوتا ہے۔ چونکہ یہ مقصد عالمگیر اور ہمہ جہت ہے، اس لیے اس کا اثر بھی عالمگیر اور ہمہ جہت ہوتا ہے، اور ایسی شخصیات بھی عالمگیر اور ہمہ جہت بن جاتی ہیں، اسی لیے فرمایا گیا کہ: ''**موت العالِم موت العالَم** ''......یعنی ''ایک عالم کی موت پورے جہاں کی موت ہوتی ہے'' گویا کہ جب ایک عالم کامل یہ جہاں چھوڑتا ہے تو اس کی وجہ سے پورا جہاں یتیم ہوجاتا ہے۔

عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ گویا کہ ایک عالِم کی موت نے عالَم کو یتیم کردیا۔ حضرت والاؒ کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا مقام عطا فرمایا تھا، ان کے ذریعے سے رشد وہدایت کا ایک طویل سلسلہ قائم تھا، آپؒ اکابر کی یادگار تھے۔ آپؒ کی وفات سے امت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے، آپ امت کے لیے بارانِ رحمت سے کم نہ تھے۔

جس طرح ایک نبی انسانوں کے قلوب کو فتح کرتا ہے اور پھر ان کے دلوں میں اللہ کی عظمت بسا دیتا ہے، اسی طرح ایک ولی بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انسانوں کے قلوب کو مسخر کرتا ہے اور ان کے دلوں میں اللہ کی محبت کو بھر دیتا ہے۔ ایک عالم، ایک فاضل، ایک ولی اللہ، ایک رہبر ورہنما، ایک پیر طریقت، ایک مرشد کامل، ایک عارف باللہ اور ایک داعی الی اللہ کی حیثیت سے ان کے مقام کا تعین علماء کرام، اولیاء اللہ اور اللہ کے برگزیدہ بندے ہی کرسکتے ہیں۔ ان کے عقیدت مندوں کی تعداد بیشمار ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں بھی ان کا ایک ادنیٰ سا عقیدت مند تھا اور ہوں۔ اب سوچتا ہوں کہ

یہ اللہ پاک کا میرے اوپر کتنا بڑا احسان اور کتنا بڑا اکرم تھا کہ مجھے زندگی میں کچھ وقت حضرت والاؒ کی خدمت میں گزارنے کا موقع ملا، اس پر میں اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کروں، وہ کم ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ: حضرت والاؒ کا وجود ایک گھنے سایہ دار درخت کی مانند تھا، جس کے سائے تلے بہت سارے لوگوں نے اپنا تھوڑا یا زیادہ وقت بڑے آرام اور اطمینان کے ساتھ گزارا۔ آپؒ کی خانقاہ میں ذکر وفکر کی مجالس، علمی اور روحانی بیانات اور شریعت اور طریقت کے اسباق جس طرح پڑھائے جاتے تھے، اس سے قرونِ اولیٰ کے بزرگوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، پتھر دل موم بن جاتے تھے۔ ان کے بیانات، ملفوظات اور ارشادات کو سامنے رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ: کاتب تقدیر نے ان کی ذات کو انسانوں کی ہدایت کے لیے خصوصی طور پر منتخب کیا تھا۔ سید کائنات ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''دنیا سے علم یوں اٹھایا جائے گا کہ اہل علم دنیا سے اٹھا لیے جائیں گے''۔

یہ قربِ قیامت کی علامت ہے کہ علماء کرام، مشائخ عظام اور اہل اللہ رحلت فرمانے لگیں۔ حضرت والاؒ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے، وہ صدیوں میں بھی پُر نہیں ہو سکے گا، آپؒ کی رحلت سے صرف آپؒ کے متعلقین، مریدین اور عقیدت مند ہی یتیم نہیں ہوئے، بلکہ پوری امت یتیم ہوگئی ہے، ایسے لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت والاؒ توحید وسنت کے علمبردار تھے اور شرک وبدعات کی بیخ کنی کے لیے تیغ بے نیام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں عاجزی، انکساری، تواضع، حلم وبردباری، تقویٰ، طہارت، اخلاص اور للّٰہیت کی صفات کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ آپؒ کی خانقاہ پر انواع واقسام کے غمگین اور دکھی لوگ حاضر ہوتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اپنی قلبی تشنگی کو مقدور بھر سیرابی اور سیر چشمی سے ہمکنار کر کے شاداں اور فرحاں واپس جایا کرتے تھے۔ کئی لوگ بے بسی اور بے کسی کے پہاڑ لے کر بے قرار اور بے چین روحوں اور اسفار کی صعوبتوں سے نڈھال ہو کر آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور بڑا سکون اور بڑا چین لے کر واپس ہوتے تھے۔ آپؒ کی خدمت میں بہت سارے لوگ ٹوٹے ہوئے دلوں کے ساتھ حاضر ہوتے تھے، اور آپؒ بڑی محبت سے ان کے دلوں میں جوڑ لگایا کرتے تھے۔ آپؒ روحانی بیماریوں کے علاج کے ماہر ڈاکٹر اور اسپیشلسٹ تھے۔ آپ ایک عالم باعمل، ایک صوفی باصفا، ایک محبت بھرے انسان، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے عاشقِ صادق، قرآن اور سنت کی پاکیزہ تعلیمات کے عظیم مبلغ اور اپنے دور کے بہت بڑے داعی الی اللہ تھے۔ آپؒ کی وفات سے پورا چمن اداس نظر آ رہا ہے:

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اِک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

آپؒ کی وفات کی وجہ سے دل حزیں ہے، قلب غمگین ہے، جگر شق ہونے کو ہے، آنکھوں سے آنسو رواں ہیں، اس لیے کہ برصغیر ایک ایسی عظیم ہستی سے محروم ہوگیا ہے، جس کا وجود اُمت مسلمہ کے لیے اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا عطیہ تھا۔ بلا شبہ حضرت والاؒ عالم اسلام کی ایک نابغہ روزگار شخصیت تھے، وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ جانے والے تو چلے جاتے ہیں، لیکن نقصان ان کا ہوتا ہے جو باقی رہ جاتے ہیں۔ حضرت والاؒ جیسی نفوس قدسیہ کو اللہ تعالیٰ نے تمام فتنوں کو روکنے والا دروازہ بنایا ہوتا ہے، جب یہ لوگ تشریف لے جاتے ہیں تو گویا وہ دروازہ ٹوٹ جاتا ہے اور نئے نئے فتنے سر اٹھانے لگتے ہیں، جس سے ہم جیسے کمزور لوگ پریشان ہوجاتے ہیں، اور پھر کوئی ایسا بندہ بھی نظر نہیں آتا جو مستجاب الدعوات ہو کہ چلو اپنے اعمال کے ذریعے نہ سہی، بزرگوں کی دعاؤں سے باطل پر غلبہ حاصل کرلیں۔ جب اللہ والے اٹھ جاتے ہیں تو صورتحال کچھ یوں ہوجاتی ہے:

شوریدگی کے ہاتھ سے سر ہے وبالِ دوش
صحرا میں اے خدا! کوئی دیوار ہی نہیں

جب ہم حضرتؒ کی خدمت میں آتے تھے، ان کے ملفوظات سنتے تھے تو بڑے بڑے حقائق منکشف ہوجاتے تھے۔ حضرت والاؒ کی زندگی امراض باطنہ کے علاج میں گزری۔ حضرتؒ کی خانقاہ سے بہت سارے بیمار شفایاب ہوئے۔ ان کے بیانات کا خلاصہ یہ ہوتا تھا کہ انسان صرف ظاہری ڈھانچے کا نام نہیں، بلکہ اس کا اصل جوہر اس کا باطن ہے، جس کو قلب اور روح کے الفاظ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ ایک حدیث مبارکہ میں بھی یہ بتلایا گیا ہے کہ: انسان کے ظاہری اعمال کی صحت وفساد اور بناؤ و بگاڑ بھی اس کے باطن کے بناؤ اور بگاڑ پر موقوف ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ: جس طرح ظاہری بدن کبھی تندرست ہوتا ہے اور کبھی بیمار ہوتا ہے اور تندرستی قائم رکھنے کے لیے غذا وغیرہ سے تدبیر کی جاتی ہے اور بیماریوں کو دفع کرنے کے لیے دواؤں سے علاج کیا جاتا ہے، بالکل اسی طرح انسان کے باطن کی تندرستی کی تدبیر اپنے خالق اور مالک کو پہچاننا، اس کا ذکر اور شکر کرنا، اور اس کے احکام کی ہمہ وقت اطاعت کرنا ہے، اور اس کی بیماری اللہ کی یاد سے غفلت، اور اس کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔ یہ دل کی بیماریاں کفر، شرک، نفاق، حسد، کینہ، تکبر، نخوت، حرص، بخل، حب جاہ اور حب مال وغیرہ ہیں۔ اور تندرستی یہ ہے کہ اپنے مالک حقیقی کو پہچانے، تمام نفع نقصان، تکلیف اور راحت کا مالک اس کو سمجھے، اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرے، کوئی تکلیف پیش آئے تو صبر سے کام لے، تمام معاملات میں اللہ پر بھروسہ کرے، اس کی رحمت سے اُمید رکھے، اس کے عذاب سے ڈرتا رہے، اس کی رضا جوئی کی فکر کرے، اور انتہائی سچائی، ایمانداری اور اخلاص کے ساتھ اس کے تمام احکام بجالائے۔

قرآن مقدس میں ارشادِ ربانی ہے کہ:

”وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَاھُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ“. (بنی اسرائیل:۸۲)

ترجمہ: ......''ہم نازل کرتے ہیں قرآن سے وہ چیز جو شفا اور رحمت ہے مومنین کے لیے''۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

''قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاءٌ''. (حم السجدۃ:۴۴)

ترجمہ: ......''آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے لیے ہدایت ہے اور شفا''۔

لیکن باطنی بیماریوں اور ان کے علاج میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ ظاہری بیماریاں تو آنکھوں اور دُوسرے حواس سے محسوس کی جاسکتی ہیں، نبض کی حرکت خون اور فضلات کا امتحان کرکے معلوم کی جاسکتی ہیں، ان کے معالجات بھی محسوس آلات اور دواؤں سے کیے جاتے ہیں۔ لیکن باطنی امراض نہ آنکھوں سے دکھائی دیتے ہیں، نہ نبض وغیرہ سے ان کو پہچانا جاسکتا ہے، اسی طرح ان کا علاج بھی محسوس غذاؤں اور دواؤں سے نہیں ہوتا، ان امراض کی تشخیص اور علاج کی تجویز صرف قرآن وسنت کے بتلائے ہوئے اُصولوں ہی سے ہوسکتی ہے۔

قرآن وسنت میں انسان کے ظاہری اعمال ومعاملات اور باطنی عقائد اور اخلاق سب ہی کی اصلاح کا مکمل نظام موجود ہے۔ اُمت میں صحابہ کرامؓ اور حضرات تابعینؒ سے لے کر موجودہ زمانے کے صالحین کاملین تک جس کو جو کچھ حاصل ہوا ہے، وہ صرف اسی نظامِ عمل کی مکمل پابندی سے ہوا ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکاۃ اور نکاح وطلاق اور اس قسم کے دیگر معاملات کو علم فقہ میں اور اعمالِ باطنہ میں سے عقائد کو علمِ عقائد میں اور اخلاق اور معاشرت کو علم تصوف میں جمع کردیا گیا ہے۔ مگر ایک طویل زمانے سے عام مسلمانوں کی اکثریت اپنی غفلت کے نتیجہ میں علوم دینیہ سے بے بہرہ ہوتی چلی جارہی ہے، خاص طور پر آخرالذکر علم جس کا تعلق اصلاحِ باطن سے ہے، وہ تو ایسا متروک ہوچکا ہے کہ عوام تو عوام، خواص یعنی علماء کی بھی ایک بہت بڑی تعداد اس سے لاتعلق ہوکر رہ گئی ہے، جس کی وجہ سے بہت بڑی خرابیاں پیدا ہوچکی ہیں۔ شاید لوگوں نے صرف اعمال ظاہرہ کو ہی کامل اور مکمل دین سمجھ لیا ہے۔ صدق واخلاص، توحید وتوکل، صبر وشکر، تقویٰ وپرہیزگاری کے الفاظ صرف زبانوں پر ہی رہ گئے۔ حب جاہ، حب مال، کبر ونخوت، غیظ وغضب، کینہ وحسد جیسے مہلک امراض سے نجات حاصل کرنے کی فکر بھی دلوں سے محو ہوکر رہ گئی۔

آج ہمارا حال یہ ہے کہ اپنے ظاہر کو تو ہم نے کچھ نہ کچھ شریعت کے مطابق بنادیا ہے، ظاہری اعمال کی بھی ہم کچھ نہ کچھ پابندی کرہی لیتے ہیں، تاکہ لوگوں کی نظروں سے گر نہ جائیں۔ ایسے گناہوں سے بھی کسی نہ کسی حد تک ہم اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں، جو گناہ عوام کی نظر میں علم اور علماء کے منصب کے خلاف سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن باطنی گناہوں سے جو ظاہری گناہوں سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں، اپنے آپ کو بچانے کی کوئی فکر نہیں کرتے اور اس حوالے سے ہمارا حال انتہائی قابلِ تشویش ہے۔

یہاں پر ہم سب کو اپنے نفس سے ایک سوال کرنا چاہیے کہ نماز روزے کا اہتمام اور چوری، بدمعاشی، عیاشی، سودخوری، رقص وسرود اور کھیل تماشوں کی محفلوں سے اجتناب اگر واقعی خوفِ خدا کے

نتیجہ میں ہے تو پھر کیا سبب ہے کہ ہم لوگوں سے چُھپ چُھپا کر ایسے گناہ کیا کرتے ہیں، جن سے شیطان بھی شرما جاتا ہے؟ ان مواقع پر خوفِ خدا اور فکر آخرت ہمارے سامنے کیوں نہیں آتے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ ہمارا ظاہری تقویٰ صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے ہم نے اختیار کیا ہوا ہے، اس لیے ہم صرف ان گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں، جن کی وجہ سے ہماری امامت اور خطابت پر حرف آتا ہے۔ باقی جن باطنی گناہوں پر جبہ و دستار کا پردہ ڈالا جاسکتا ہے، ان کو ہم نے شیر مادر سمجھ کر اختیار کیا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہماری تقریروں میں، خطبوں میں اور بیانات میں کوئی اثر نہیں، اللہ والوں کی خانقاہوں میں، ان باطنی بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے اور اللہ والوں کی صحبت کی وجہ سے دلوں میں خشیت الٰہی، تقویٰ و پرہیزگاری اور اخلاص اور سچائی پیدا ہوجاتی ہے۔

حضرت والاؒ اللہ تعالیٰ کے ذاکر بندوں میں سے تھے، وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرتے تھے، قرآن کریم میں بھی ان لوگوں کو عقلمند کہا گیا ہے، جو کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، اور آسمان اور زمین کی چیزوں میں فکر کرتے ہیں، اور بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں کہ: ''اے پروردگار! یہ سب آپ نے بیکار میں پیدا نہیں کیا، بلکہ ایک مقصد کے لیے دنیا کو امتحان گاہ بنایا ہے، اصل تو آخرت ہے تو آپ ہمیں آگ کے عذاب سے بچا دیجئے''۔

ایک عقل معاد ہے: یعنی وہ عقل جو آخرت کے لیے استعمال ہو، اور دوسری عقل معاش ہے: یعنی وہ عقل جو دنیا کے لیے کمائی کے نت نئے طریقوں کے لیے استعمال ہو۔ لوگ عام طور پر عقل معاش والے کو عقلمند سمجھتے ہیں، حالانکہ اصل تو عقل معاد ہے، جو آخرت بنانے کے لیے استعمال ہوتی ہے، عقل معاش تو کافروں کو بھی حاصل ہے۔

جسے ذکر مل گیا، اسے ولایت الٰہی اور محبت الٰہی کا دُستور مل گیا۔ آدمی اگر ذاکر نہیں تو غافل ہے اور غافل سے شیطان اس طرح کھیلتا ہے، جس طرح کھلاڑی گیند سے کھیلتا ہے۔ ذکر کی برکت سے غفلت نکل جاتی ہے، اور آدمی کو فضول کاموں سے نفرت ہوجاتی ہے۔ ذکر کرتے کرتے ذکر جاری ہوجاتا ہے اور ذکر کا ایسا مزاج بن جاتا ہے کہ آدمی ذکر کو چھوڑنا بھی چاہے تو چھوڑ نہیں سکتا، ذکر اس کی طبیعت بن جاتا ہے، ذکر اس کی زندگی بن جاتی ہے، ذکر اس کی خوراک بن جاتی ہے، ذاکر بندہ ذکر کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ حضرت والاؒ کی خانقاہ میں ذکر الٰہی کی ضربیں لگتی تھیں، جن کی وجہ سے مردہ دل زندہ ہوجاتے تھے۔ اللہ والوں کی صحبت سے مردہ دل زندہ ہوتے ہیں، بیمار دل تندرست ہوجاتے ہیں، اور غافل دل غفلت سے نکل آتے ہیں۔ اللہ والوں کی صحبت سے نیکیوں سے محبت اور گناہوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ شیطان ہر ایک سے ایک جیسے گناہ نہیں کراتا، بلکہ شیطان ہر شخص سے اس کے لحاظ سے گناہ کرواتا ہے، مثلاً: وہ علماء اور دین داروں کو حسد، بغض، کینہ، غیبت، حب جاہ اور حب مال کی بیماریوں میں مبتلا کرتا ہے۔ عورتوں کو فیشن اور بے پردگی کی بیماریوں میں مبتلا کردیتا ہے۔ طلبہ کو ذہنی

انتشار میں گرفتار کر دیتا ہے، اور فکر معاش ان پر مسلط کر دیتا ہے کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد تو اپنا پیٹ کس طرح پالے گا۔ اللہ والوں کی صحبت میں ذکر کی برکت سے ان بیماریوں میں مبتلا لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے صحتیاب ہو جاتے ہیں؟ ان کو اللہ پر اعتماد ہو جاتا ہے، وہ احساس کمتری سے باہر نکل آتے ہیں، ان کو ایمان کی حلاوت اور اسلام کی لذت محسوس ہونے لگتی ہے، جس طرح میلے کچیلے سیپ میں چھپے ہوئے موتی کو اپنی قیمت معلوم نہیں ہوتی، اسی طرح عام طور پر ایک کلمہ پڑھنے والے کو بھی اپنی قدر و قیمت کا حقیقی اندازہ نہیں ہوتا، لیکن اللہ والوں کی صحبت سے اس پر حقیقت کھل جاتی ہے۔

آج کل ہمارے اکثر علماء وطلبہ کو فنون تو بہت آتے ہیں، لیکن وہ ان فنون سے علم کی عمارت کو بنا نہیں پاتے۔ علم کی عمارت تزکیۂ قلب کے بغیر بن ہی نہیں سکتی۔ ہزار اینٹوں کا جمع کر دینا الگ بات ہے، لیکن ان اینٹوں سے عمارت تعمیر کرنا الگ بات ہے، اللہ والوں کی صحبت سے یہ گُر حاصل ہو جاتا ہے۔ اللہ والوں کے بیانات سے مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کی زندگیاں بھی تبدیل ہو جاتی ہیں، بہت ساری مغرب زدہ خواتین اللہ والوں کے بیانات سننے کے نتیجہ میں صالحہ بن جاتی ہیں، ان میں عفت اور پاکدامنی، حسن اخلاق، نماز کی پابندی، قرآن وسنت کے احکامات کی پاسداری اور تقویٰ اور پرہیزگاری پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت والاؒ کے ایمان افروز بیانات کے نتیجہ میں بے شمار لوگوں کو ہدایت ملی۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ پاک اپنے اس محبوب بندے کے درجات کو بلند فرمائے، ان کی خدماتِ جلیلہ کو قبول فرمائے، ان کی قبر کو جنت کا باغ بنائے، ان کے جانشینوں کو جانشینی کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور مجھ سمیت حضرت کے تمام عقیدت مندوں کو صبر جمیل کے ساتھ ساتھ صحیح معنوں میں متبع سنت بنائے، اور زندگی بھر قرآن اور سنت کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!۔

☆☆☆

ایصالِ ثواب کی درخواست

جامعہ کے سابق استاذ مفتی محمد ولی درویش رحمہ اللہ کے بڑے بھائی جناب صوبیدار سیف الرحمٰن صاحب ۲۰؍رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ مطابق ۳۰؍جولائی ۲۰۱۳ء بوقت شب ۱۲ بجے آبائی وطن میں انتقال کر گئے۔ قارئین بینات سے ان کے ایصالِ ثواب اور مغفرت کے لیے خصوصی دعا کی درخواست ہے۔